از کجا تا بہ کجا......؟

حافظ عاطف وحید

ابھی حال ہی میں دنیائے خبر کے سب سے مؤقر مأخذ یعنی ’’بی بی سی‘‘ کی اردو ویب سائیٹ پر ایک خبر نظر سے گزری۔ عنوان ہے ’’سوات : ڈی ریڈیکلائیزیشن‘‘۔ ماہِ رواں کی ۵ تاریخ کی اس خبر کے عنوان سے ہی عیاں ہے کہ یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صوبہ KPK کی اس خوبصورت وادی میں بسنے والے مرد وخواتین کے پختہ دینی تشخص اور جذبات کو جدید رجحانات کے عین مطابق بے اثر (neutralize) کرنے کی سرکاری کوششوں کی مختصر رپورٹ پر مشتمل ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وادیٔ سوات میں ۲۰۰۹ء میں ہونے والے آپریشن کے بعد چار ایسے بحالی مراکز قائم کیے گئے تھے جہاں طالبان کے اُن ساتھیوں کی تربیت کی جاتی تھی جنھوں نے ہتھیار ڈالے اور ان کے خلاف کوئی بھی جرم ثابت نہ ہوسکا تھا۔ اس رپورٹ میں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ اب تک تقریباً تین ہزار افراد ڈی ریڈیکلائیزیشن یعنی انتہا پسندانہ سوچ کے خاتمے کے ان تربیتی مراکز سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ ’’بین الاقوامی‘‘ اہمیت کا ہے شاید اسی لیے اس کا بروز عالمی سطح کے خبرنامے میں ہوا۔ مقامی صحافت نے شاید کسی مصلحت سے اس خبر کو اہمیت نہیں دی۔ اور اس تمام کارگزاری کے لیے انتہا پسندی بلکہ شدت پسندی کا ’’عفریت‘‘ بطور حوالہ مذکور ومفروض ہے۔

ہمیں اس خبر کی صداقت سے بحث نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس علاقے کے لوگوں کی روایتی دینی وابستگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ نئی تہذیب کے گندے انڈوں کے خبیث اثرات سے اس علاقے کے باشندوں میں محفوظ رہنے کا عزم اکیسویں صدی میں بھی کمزور نہ ہوسکا تھا۔ شرم وحیا‘ عفت وعصمت‘ ستر وحجاب اور شرعی حدود و تعزیر سے دستبرداری پر یہ لوگ تا دمِ آپریشن کسی صورت تیار نہیں تھے۔ لہٰذا ان کا علاج یہی تھا کہ انہیں ’’بحالیٔ معذوراں‘‘ کے مراکز میں تا حصولِ مقصد زیر علاج رکھا جائے اور اس خوبصورت سیاحتی مرکز کو جدید عالمی سیاحت کی جملہ رعنائیوں کے لیے محفوظ و مامون بنا دیا جائے‘ اور اس پائلٹ پراجیکٹ کو باقی علاقوں کی بچی کھچی ڈی ریڈیکلائیزیشن کے لیے بطور تجربہ گاہ استعمال کیا جائے۔ اس کے سوا اِس تمام اکھاڑ پچھاڑ کا کوئی دوسرا بامعنی ہدف تھا تو اسے سامنے لایا جانا چاہیے تاکہ بے خبر لوگوں کی لاعلمی کو دور کیا جاسکے۔

پاکستان وہ منفرد ملک ہے جسے اس اعلانیہ خواہش پر قائم کیا گیا تھا کہ یہاں اسلام کے اصولِ حریت‘ اخوت اور مساوات کا ایک اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکے گا۔ اس کے وجہ جواز کے طور پر اس خطے کے

باشندوں کو یہ باور کروایا گیا تھا کہ نہ کوئی نسلی قوم پرستی کا جذبہ ہے اور نہ ہی لسانی —— حتیٰ کہ وطنی قومیت بھی مسلمانوں کے سامنے ہدفِ اعلیٰ نہیں ہے —— اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے! چنانچہ ''دوقومی نظریہ'' وہ اساس ہے جس پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ ظاہری اور واقعی بات ہے کہ جس نظریے کی بنیاد پر یہ وجود میں آیا ہے اسی پر اس کے قیام' بقاء اور استحکام کا مدار ہوسکتا ہے۔ اس نظریے سے پسپائی اور دستبرداری میں جو قیامت مضمر ہے اس کے لیے دلائل لانے کی ضرورت نہیں!

محسوس ہوتا ہے کہ ڈی ریڈیکلائیزیشن کے ایجنڈے کے صورت گروں اور معماروں کو دوقومی نظریے کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے مخاصمانہ سابقہ ہے' لیکن بوجوہ وہ یہ بات واضح طور پر کہہ بھی نہیں سکتے کہ اکیسویں صدی میں دنیا کے شانہ بشانہ چلنے کے لیے اس نظریے سے دستبردار ہو جانا چاہیے —— چنانچہ بظاہر اس کا طریق یہی موزوں نظر آیا کہ اوّلاً انتہا پسندی کے جذبات کی مہمیز کے احوال پیدا ہوں اور بعد ازاں ان کی سرکوبی کے ظروف فراہم کیے جائیں۔ ریاستی اداروں کی سرپرستی میں ایسے طریقہ کار کو بروئے کار لانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بیشتر غیر معمولی اہداف اسی طور سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہمیں اس سے پریشانی نہیں ہے' ہمارے پیش نظر وہ مہلک اہداف ہیں جنہیں اب غیر محسوس انداز میں pursue کیا جارہا ہے۔

پاکستان کیوں وجود میں آیا؟ اس کے تاریخی' جغرافیائی' معاشرتی اور مذہبی پس منظر' اسباب اور وجوہِ اسباب کیا تھے؟ تحریک پاکستان کے بیشتر حقائق یادداشتوں سے محو ہیں' لیکن بعض دستاویزات ایسی ہیں جن سے فراموش کردہ ماضی اور کھوئی ہوئی منزل کا کچھ پتا لگایا جاسکتا ہے۔ ایسی ہی ایک دستاویز نذرِ قارئین ہے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جو بعض اچھے اور مفید کام ہوئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قائداعظم نے خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے ایک آسٹرین نژاد اور جرمن زبان بولنے والے نومسلم صحافی' سیاح' سکالر اور مصنف علامہ محمد اسد (Leopold Weiss, 1900-1992) کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور انہیں سب سے پہلا پاکستانی پاسپورٹ جاری کر کے علامہ اقبالؒ کے اس مصرعے کو عملی صورت عطا کی کہ 'اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے!' مزید برآں ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا جسے Department of Islamic Reconstruction کا نام دیا گیا اور علامہ محمد اسد کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ علامہ محمد اسد قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کی Foreign Ministry میں بطور ڈپٹی سیکرٹری بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اس نوزائیدہ مملکت خداداد پاکستان کو جن بنیادوں پر مستحکم کرنا پیش نظر تھا اور جن اصولوں اور رجحانات کی آبیاری وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی' ان کا خاکہ تیار کرنا اور حکمت عملی وضع کرنا اس محکمے کا بنیادی ہدف تھا۔ چنانچہ اغراض ومقاصد میں مذکور یہ جملہ قابلِ توجہ ہے:

"The ultimate aim of this Department is, to help our community to reconstruct its life on Islamic lines, and therefore it has been named Department of Islamic Reconstruction ."

یعنی معاشرے کی اسلامی خطوط پر تعمیرِ نو کے لیے یہ محکمہ قائم کیا گیا۔ قابلِ تعجب بات یہ ہے کہ اس دستاویز میں وہی تجاویز پیش کی گئی ہیں جو آج کی اصطلاح میں radical قرار دی جاتی ہیں —— نظامِ تعلیم کی اصلاح، قرآن و حدیث کو شاملِ نصاب کرنا، سنتِ رسول ﷺ اسلامی فقہ کی تعلیم اور سوشل سائنسز وغیرہ میں اسلامی تعلیمات کو اُجاگر کرنا، اسلامی قانون کی روشنی میں معاشرتی اور اقتصادی تنظیم نو اور اس جیسے دوسرے اقدامات تجویز کیے گئے۔ اگر اسلامی تعمیرنو کے اس سرکاری محکمے کو کام کرنے دیا جاتا اور اس کی تجاویز پر خلوصِ دل کے ساتھ عمل کیا جاتا تو بعید نہیں تھا کہ ہم اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کا ایک اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے واقعی پیش کرنے کے قابل ہوتے۔ لیکن —— آج حالت یہ ہے کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی۔ ڈی ریڈیکلائیزیشن کا ایجنڈا اُسی وقت متحرک ہوگیا۔ علامہ اسد اور اُن جیسے دیگر مخلصین امت کو بے اثر کرنے اور پاکستان کو لادین سیکولر ملک بنانے کا اَعدائے دین اور اَعدائے پاکستان کا منصوبہ پوری قوت کے ساتھ نافذ العمل ہوا۔ تعلیم میں الحاد، معاشرت میں اباحیت اور معیشت میں سودی سرمایہ داری کا تسلسل قائم رہا۔ البتہ بعض علاقوں کے 'بندۂ صحرائی اور مردِ کوہستانی' فطرت کے اُن مقاصد کی نگہبانی میں ڈٹے رہے جن کی آبیاری کے لیے پاکستان وجود میں آیا تھا۔ اور جستہ جستہ —— بعض نیم دلانہ لیکن قابلِ تعریف اقدامات بھی بے شک کیے جاتے رہے۔ قراردادِ مقاصد کا پاس ہونا، اسلامی نظریاتی کونسل اور فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام وغیرہ، جن کا حوالہ اسلامی تشخص کے اقرار اور اظہار کا ذریعہ تو ہے، لیکن بے اثر اتنا کہ آئین میں قراردادِ مقاصد بھی ہے اور غیر اسلامی دفعات بھی۔ ایسی علمی رپورٹوں کا انبار ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے اربوں روپیہ خرچ کر کے تیار کی ہیں لیکن کوئی واضح ٹھوس لائحہ عمل نہیں ہے جس سے ان کے نفاذ کی عملی شکل وجود میں آئے۔ اور فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے اس سے زیادہ اندوہناک معاملہ اسلامی شریعت کے ساتھ اور کیا ہوگا —— ایک ربا کا کیس ہی اس کی جگ ہنسائی کے ثبوت کے طور پر کافی ہے ؏

صلاحِ کار کجا ومن خراب کجا
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!

یہ بات برسرِ موقع ہے کہ Department of Islamic Reconstruction کے تحت علامہ محمد اسد کی تیار کردہ اس دستاویز کو ہر باشعور شخص بغور پڑھے۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ ذیل میں نذرِ قارئین ہے —— تاکہ ''از کجا تا بہ کجا؟'' کا اندازہ قارئین خود کر سکیں:

''ہمارے ملک میں اس وقت مسلمانوں کو مادیت اور روحانیت کے حوالے سے جن تبدیلیوں کا سامنا ہے، ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل حل کرنے کے لیے حکومت نے ایک نیا محکمہ قائم کیا ہے۔ یہ محکمہ، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ایسی رہنمائی فراہم کرے گا جس کی بنا پر ہمارے معاشرے کی تشکیل اسلامی خطوط پر ہو سکے۔ عصرِ حاضر میں یہ پہلی مثال ہے کہ ہمارے ہاں کسی سرکاری محکمے کو قائم کرتے وقت